



سوال

(60) سجدہ کو جاتے، سجدہ میں اور سجدہ سے اٹھتے وقت رفع الیدین

جواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سجدہ کو جاتے اور سجدہ سے اٹھتے وقت رفع الیدین مسنون ہے یا نہیں؟ سجدہ کی رفع الیدین کی احادیث قابل عمل ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں۔ حالانکہ سجدہ کی رفع الیدین کی احادیث کتب سنن وغیر سنن میں ایک جماعت صحابہ سے آئی ہیں۔ جن میں ضعیف اور غیر ضعیف بھی ہیں۔ اگرچہ ضعیف ہیں مگر کثرت طرق سے ان کا ضعف مجز بھی ہو سکتا ہے۔ امام نسائی نے مالک بن حویرث سے باب رفع الیدین للسجود میں اور نیز دوسری حدیث بروایت نصر ابن عاصم مالک بن حویرث سے بیان کی ہیں۔ جن میں وضاحت ہے کہ سجدہ سے اٹھتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم رفع الیدین کرتے تھے۔ امام احمد نے بھی مسند احمد جلد 5 ص: 83 پر اسی مضموم کی حدیث مالک بن حویرث سے نقل کی ہے۔ اس حدیث پر بعض نے یہ جرح کی ہے کہ قتادہ راوی ہے جو مدلس ہے۔ اور قتادہ نے اس روایت کو لفظ عن مروی ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام ترمذی نے مطلقاً قتادہ کی ان روایتوں کو جو بلفظ عن مروی ہیں۔ بہت جگہ صحیح کہا ہے خواہ وہ شعبہ کے طریق سے ہوں یا غیر شعبہ کے طریق سے۔ نیز حافظ ابن حجر نے قتادہ کی اس روایت کو جو بلفظ عن مروی ہے۔ صحیح کہتے ہیں حالانکہ وہ غیر طریق شعبہ ہے۔ جیسا کہ ابوداؤد۔ فتح الباری۔ تفسر فح البیان دوسرا جواب یہ ہے کہ تحفۃ الاحوذی ص 158 میں ہے۔

«وقد تقرر ان رواہ ابی اسحاق من طریق شعبہ محمود علی السماع وان کانت معنیہ قال الحافظ ابن حجر فی طبقات الدلسین قال الیستی وروی عن شعبہ ابنہ قال کفیختمہ یدلیس عمیہ الا عمن وابی اسحاق وقتادہ قال الحافظ فذا قاعدہ تجیدہ فی حدیث ہولاء الثلاثہ بنا داؤد اجاءت من طریق شعبہ ہولت علی السماع ولو کانت معنیہ۔»

یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ابواسحاق کی شعبہ کے واسطے سے سماع پر محمول ہے۔ خواہ عن کے ساتھ ہو۔ حافظ ابن حجر نے طبقات الدلسین میں بیہقی سے نقل کیا ہے کہ شعبہ کہتے ہیں میں نے تین کی تدلیس سے تمہاری کفایت کی ہے۔ اعش، ابواسحاق، قتادہ۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں۔ یہ کھرا قاعدہ ہے۔ ان تین میں سے جب کوئی روایت شعبہ کے ذریعہ سے آئے۔ تو وہ سماع پر دلالت کرے گی۔ اگرچہ عن کے ساتھ روایت ہو۔ یہ تو تدلیس کا جواب ہے۔ اب صرف ایک اعتراض باقی ہے کہ نصر بن عاصم مالک بن حویرث روایت لینے میں مستفرد ہیں۔ دودرہ سے یہ حرج ضرور کرتی ہے۔ ایک اس لیے کہ نصر بن عاصم لیشی بصری ثقہ ہے۔ دوسری وجہ ہے کہ مالک بن حویرث کی یہ حدیث جو سنن ابی داؤد ص 263 مع عون المعبود میں ہے تائید کرتی ہے۔ جو میرے نزدیک راوی ثقہ اور عادل ہیں۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ امام ابوداؤد نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کو بہام نے بھی محمد بن مجاہد سے روایت کیا ہے لیکن اس نے سجدہ کی رفع الیدین کا ذکر نہیں کیا۔ محمد بن مجاہد کے صرف ایک شاگرد عبدالوارث نے اس کو ذکر کیا ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ عبدالوارث کا مستفرد ہونا ضرر نہیں کرتا کیونکہ عبدالوارث بہام سے بڑھ کر عادل ہے۔ کیونکہ تقریب میں بہام کو ثقاہت کا ایک درجہ دیا ہے اور عبدالوارث کو دودرہ سے زیادتی ثقہ احفظ کی بالاتفاق مقبول ہے۔

علاوہ ان ہر دور روایت کے متعدد احادیث ضعیفہ اور عمل ایک جماعت صحابہ و تابعین کا ان روایتوں کو قوت دیتا ہے۔ بعض اہل علم سجدہ کی رفع الیدین کی احادیث پر یہ جرح کرتے ہیں کہ حدیث عبداللہ بن عمر اور علی بن ابی طالب اور موسیٰ اشعری ان احادیث کے معارض ہیں۔ کیونکہ ان کی احادیث میں سجدہ کی رفع الیدین کا انکار اور نفی ہے۔ سو یہ جرح اہل حدیث کی شان سے بعید ہے۔ اس لیے کہ اس قسم کی احادیث کا اہل حدیث اور اصحاب الہدیٰ یہ جواب دیتے ہیں کہ روایات مشتبہ روایات نافیہ پر مقدم و ترجیح رکھتی ہیں۔



الجواب بعون الوهاب بشرط صحة السؤال

و علیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علی رسول اللہ، أما بعد!

سجدہ میں رفع یدین کی احادیث شبہ سے خالی نہیں۔ جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

اصول حدیث میں لکھا ہے کہ اگر کوئی محدث اسنادہ صحیح کے تو اس سے صحبت حدیث ثابت نہیں ہوتی۔ ہاں اگر اسنادہ صحیح کہہ کر اس کے بعد کوئی جرح ذکر نہ کرے تو یہ صحت حدیث پر دلالت ہوگی کیونکہ اگر کوئی جرح ہوتی تو وہ سکوت نہ کرتا۔

الفیہ عراقی میں ہے۔

«والحکم للاسناد بالصحة وبالحسن دون الحكم للمعتن راواوا قبله ان اطلقه من يعتمه ولم يعقبه لضعيف ينفق»

یعنی اسناد کے صحیح یا حسن ہونے کا حکم متن کے صحیح یا حسن ہونے کو نہیں چاہتا۔ ہاں معتد علیہ محدث اسناد پر صحیح یا حسن ہونے کا حکم کرے اور اس کے بعد کوئی ضعف بیان نہ کرے۔ جس سے متن کی تنقید ہو تو اس صورت میں متن بھی صحیح ہوگا۔

اس عبارت کا مطلب اگرچہ بعض نے اتنا ہی بیان کیا ہے۔ مگر اصل یہ ہے کہ اس عبارت سے دو باتیں مفہوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ متن پر صحت یا حسن کا حکم لگانا یہ حدیث کے صحیح یا حسن ہونے کا کم درجہ ہے۔ کیونکہ اسناد پر حکم لگانے کی صورت میں یہ احتمال رہتا ہے کہ شاید اس میں شذوذ یا علت وغیرہ ہو۔ گویا اس احتمال کی بنا پر یہ حکم لگانے سے حدیث کی صحت یا حسن اس درجہ کی نہیں سمجھیں جاتی۔ جس درجہ کی متن پر حکم لگانے سے سمجھی جاتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ کم درجہ معتبر ہے۔ لیکن اس شرط پر کہ اسناد پر صحت یا حسن کا حکم لگانے کے بعد محدث سکوت کرے اور اس میں شذوذ و علت وغیرہ بیان نہ کرے جو ضعف حدیث کا باعث ہو۔ یہ مطلب مقدمہ ابن صلاح کی عبارت سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ مقدمہ ابن صلاح کی نوع ثانیہ ص 16 میں ہے۔

«فولعم بداحدیث صحیح الاسناد و دون ولا یصح لکونہ شاذ او معللا غیر ان المصنف المعتمد منم ادا اقتصر علی قوله انه صحیح الاسناد ولم یدکر له علمه ولم یفتقر فیہ فالظاهر منه الحكم له بانہ صحیح فی نفسه لان عدم العلم بالفاوج هو الاصل والظاهر والله اعلم»

یعنی محدثین کا یہ کہنا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد یا حسن الاسناد ہے۔ یہ ان کے قول سے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ یا یہ حدیث حسن ہے۔ کم ہے۔ کیونکہ بعض دفعہ کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور درحقیقت بوجہ شاذ یا معلل ہونے کے حدیث صحیح نہیں ہوتی ہاں معتد مصنف صحیح الاسناد کہہ کر کوئی علت اور عیب ذکر نہ کرے تو ظاہر یہی ہے کہ اس کا یہ حکم حدیث کی صحت کے بابت ہے کیونکہ اصل اور ظاہر یہی ہے کہ کوئی علت اور عیب نہیں ورنہ وہ ذکر کرتا۔

اس عبارت سے اوپر کی دونوں باتیں اچھی طرح واضح ہو گئیں کیونکہ اسناد صحت یا حسن کے حکم لگانے کی بابت کہا ہے کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حدیث صحیح ہے اور جب براہ راست حدیث پر صحت یا حسن کا حکم لگایا تو یہ حدیث کے صحیح یا حسن ہونے کی تنصیص اور تصریح ہے۔ اور ظاہر کا درجہ تنصیص سے کم ہے۔ کیونکہ ظاہر میں کچھ احتمال رہتا ہے۔ جیسے احتمال ہے کہ شاید شذوذ وغیرہ کا کوئی احتمال ہو۔ برخلاف تنصیص اور تصریح کے کہ اس میں اس قسم کی گنجائش نہیں۔ اور باوجود درجہ کم ہونے کے ظاہر پر بالاتفاق عمل ہوتا ہے۔ صرف اتنی بات ہے جب ظاہر کا اور تنصیص کا مقابلہ ہو جائے تو پھر ظاہر پر عمل نہیں رہتا جیسے صحیح الاسناد کہنے سے اگرچہ صحت حدیث ظاہر ہوتی ہے لیکن جب صحیح الاسناد کہنے کے بعد محدث کسی عیب کی تنصیص اور تصریح کر دے تو پھر اس تنصیص اور تصریح پر عمل ہوگا۔ ظاہر پر عمل نہیں ہوگا۔ یعنی حدیث صحیح نہیں سمجھی جائے گی۔ اگر یہ تنصیص اور



تصریح نہ ہو۔ تو پھر ظاہر پر عمل ہوگا۔ یعنی حدیث صحیح بھی جائے گی تو ایک عام قاعدہ کا بیان تھا۔ اب اس اسناد کا حال سنیے جس کو حافظ ابن حجر وغیرہ نے صحیح کہا ہے۔

حافظ ابن حجر نے طبقات المدلسین ص 2 میں مدلسین کے پانچ مراتب ذکر کئے ہیں۔ ان سے تیسرے مرتبہ کی بابت فرماتے ہیں:

”الغریب من الکثر من التلیس فلم یصحح الائمة من احاد یثم الاباصر حوافیه بالسماع و منضم من قبلکم کابی الرزیر۔ الکی انتہی۔“

یعنی تیسرے مرتبہ کے وہ لوگ ہیں جو تالیس بہت کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی احادیث سے ائمہ نے استدلال نہیں پکڑا۔ مگر جن روایتوں میں انہوں نے سماع کی تصریح کی ہے وہ لائق استدلال ہیں اور بعض محدثین نے ان کی احادیث کو مطلق رد کر دیا ہے۔ خواہ سماع کی تصریح کریں یا نہ۔ اور بعض محدثین نے مطلقاً قبول کر لیا ہے۔

اس کے بعد آگے چل کر اس مرتبہ کے پچاس آدمی بتلائے ہیں۔ جن سے ایک قنادہ کو بھی شمار کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

”قنادہ بن دعامة السدوسی البصری صاحب النس بن مالک رضی اللہ عنہ کان حافظ عصرہ و هو مشہور بالتالیس وصفہ بہ النسائی وغیرہ،، (طبقات المدلسین ص 18)

یعنی قنادہ بن دعامة سدوسی حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد پلنے زمانے کے حافظ تھے۔ اور وہ تالیس کے ساتھ مشہور ہیں۔ امام نسائی وغیرہ نے ان کو مدلس کہا ہے۔

اب یہاں دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ حافظ ابن حجر نے قنادہ کی تالیس کا اعتبار نہ کیا ہو۔ اور اس کی حدیث کو مطلقاً قبول کرتے ہوئے اسناد صحیح کہہ کر سکوت کیا۔ جس سے اوپر کے قاعدہ کے مطابق یہ حدیث ادنیٰ درجہ کی صحیح ہوگئی۔ دوسری صورت یہ کہ قنادہ چونکہ تالیس کے ساتھ مشہور ہیں۔ اس لیے اسناد صحیح کے بعد اس بات کے ذکر کی ضرورت نہ سمجھی کہ اس میں قنادہ مدلس ہیں۔ کیونکہ شہرت بمنزلہ ذکر کے ہے۔ پس اس صورت میں حدیث ضعیف ہوگی۔ میرے خیال میں اس صورت کو ترجیح ہے۔ کیونکہ جب ائمہ حدیث تیسرا مرتبہ والوں کی احادیث کے لائق استدلال نہیں سمجھتے تو حافظ ابن حجر سے ان کی مخالفت بعید ہے۔ اور امام ابوداؤد کا اس کو اپنی کتاب میں لانا اس کی صحت کی دلیل نہیں۔ کیونکہ وہ ایسی ضعیف احادیث بھی لے آتے ہیں جو تالیس کے قابل ہوں۔ اور اگر بالفرض دوسری صورت کو ترجیح نہ ہو تو بھی معاملہ مشکوک رہا۔ کیونکہ احتمال ہے کہ حافظ ابن حجر اسناد صحیح پر شہرت کی بنا پر سکوت کیا ہو۔ اور احتمال ہے کہ تالیس کا اعتبار نہ کرتے ہوئے سکوت کیا ہو۔ بہر صورت حافظ ابن حجر کے اسناد صحیح کہنے سے اس حدیث کی صحت سمجھنا ڈبل غلطی ہے۔ اور ابن سید الناس کے کلام کو بھی اسی پر قیاس کر لیں بلکہ ابن سید الناس نے ورجالہ ثقات کہہ کر اسناد صحیح کی تفسیر کر دی ہے۔ یعنی اسناد صحیح سے مراد ہے کہ راوی ثقہ ہیں۔ اور قنادہ اگرچہ مدلس ہیں لیکن ثقہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اور فتح البیان اور عون المعبود کی عبارت کا بھی یہی مطلب ہے اور اگر کچھ اور ہے تو ان کی غلطی ہے۔ اور امام شوکانی کے سکوت کی وجہ بھی شہرت ہے۔ یعنی قنادہ کی تالیس مشہور ہے اس لیے کچھ کلام نہیں کی

سجدہ میں رفع یدین کی حدیث کی نسبت کس طرح تسلی ہو سکتی ہے۔ رہی یہ بات کہ شعبہ کی روایت اعمش۔ ابی اسحاق اور قنادہ سے سماع پر محمول ہے۔ سواس کی نسبت عرض ہے کہ اعمش اور ابی اسحاق سے تو خواہ سماع پر محمول ہو۔ مگر شعبہ کی روایت کا سماع پر محمول ہونا مشکوک ہے جس کی وجہ مندرجہ ذیل ہے۔

طبقات المدلسین کی عبارت جو مولوی صاحب مرحوم نے تحفۃ الاحوذی میں نقل کی ہے وہ پوری اس طرح ہے:

(وقال الیہستی، فی المعروف روبا عن شعبہ قال کنت التفتہ فم فتادہ فاذا قال حدیثا و سمعت حطتہ و اذ قال حدیثا رکتہ و روبا عن شعبہ انہ قال کینضم تالیس ہذا شیخ الاعمش و ابی اسحق و فتادہ (وقت فندہ قاعدہ تجیدہ۔ الخ) (طبقات المدلسین ص 21)

یعنی بیہستی نے معرفہ میں کہا ہے کہ ہم نے شعبہ سے روایت کی۔ فرماتے تھے کہ جب قنادہ حدیث سنا تے تو میں ان کے منہ کی طرف خیال رکھتا۔ جب حدیث اور سمعت کتے تو میں یاد کر لیتا۔ جب حدیث کتے تو میں پھوڑ دیتا۔ نیز بیہستی نے کہا ہم نے شعبہ سے روایت کیا فرماتے تھے میں نے تین تالیس سے تمہاری کفایت کی۔

اعمش۔ ابی اسحاق۔ قنادہ میں (حافظ ابن حجر) کہتا ہوں۔ یہ عمدہ قاعدہ ہے۔ ان تینوں سے جب کوئی روایت شعبہ کے واسطے سے آئے تو وہ سماع پر دلالت کرے گی۔ خواہ عن ہی کے ساتھ روایت ہو۔



اس عبارت کے پلا حصہ میں ہے کہ شعبہ نے قتادہ سے وہی روایتیں لی ہیں جن میں سماع کی تصریح ہے باقی پھوڑدی ہیں۔ تو اب عن والی روایت شعبہ سے آہی نہیں سکتی تو اس کے سماع پر محمول ہونے کے کیا معنی؟ اور اس صورت میں قتادہ کی تہذیب کی کفالت کرنے سے شعبہ کا یہ مطلب ہوگا کہ جب قتادہ کا کوئی دوسرا شاگرد ایسے صیغہ کے ساتھ روایت کرے جس میں سماع کی تصریح نہ ہو تو وہ روایت میرے پاس لاؤ۔ میں اس کی تمیز کر دوں گا کہ وہ سماع والی ہے یا نہیں۔ کیونکہ میں اس کی بڑی جستجو رکھتا تھا۔ پس یہ عبارت اس بات کی دلیل ہوتی کہ یہ عن والی روایت شعبہ کی نہیں بلکہ کسی راوی کی غلطی سے شعبہ کی طرف نسبت ہو گئی ہے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مالک بن حویرث راوی حدیث کا اپنا عمل اس حدیث پر نہیں کیونکہ وہ صرف رکوع کو جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ چنانچہ مسلم باب استحباب رفع الیدین الخ، میں، اور بخاری باب رفع الیدین الخ ہے۔ ہاں اگر تہذیب کی کفالت کرنے سے شعبہ کا مطلب یہ لیا جائے کہ جن روایتوں میں قتادہ نے سماع کی تصریح نہیں کی۔ ان کی بابت بعد کو شعبہ نے قتادہ سے تحقیقات کر کے سماع والی اور غیر سماع والی تمیز کر لیں۔ اور روایت کرتے وقت اسی لفظ سے روایت کیں۔ جس لفظ کے ساتھ سنیں تھیں جو سماع کے لفظ کے ساتھ سنیں وہ سماع کے لفظ کے ساتھ روایت کیں۔ اور جو عن وغیرہ کے ساتھ سنیں وہ عن وغیرہ کے ساتھ روایت کیں تو اس وقت یشک حافظ ابن حجر کا قاعدہ کہ شعبہ کی روایت ان تینوں سے سماع پر محمول ہے درست ہوگا۔ اور اس قاعدہ کی بنا پر رفع الیدین کی حدیث صحیح ہوگی۔ لیکن شعبہ کے مطلب میں چونکہ شبہ پڑ گیا ہے۔ اس لیے تسلی اسی طرح نہیں، کیوں؟ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

اس کے علاوہ مالک بن حویرث کا صرف دو جگہ رفع الیدین کرنا بتلا رہا ہے کہ سجدہ کی رفع یدین کوئی مستقل رفع الیدین نہیں۔ بلکہ یہ وہی ہے جو سجدہ کو جاتے اور سجدہ سے سر اٹھاتے وقت ہاتھ رکھے اور اٹھائے جاتے ہیں۔ کیونکہ احادیث کے مطابق دونوں ہتھیلیاں سجدہ میں کبھی کندھوں کے برابر کبھی منہ کے دونوں طرف رکھی جاتی ہیں۔ اور سجدہ سے سر اٹھاتے وقت ساتھ اٹھائی جاتی ہیں۔ اس کی شکل و صورت بظاہر رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کی سی بن جاتی ہے۔ اس کی شکل و صورت کا لحاظ کرتے ہوئے رکوع کے رفع الیدین کے ساتھ اس کا بھی ذکر کر دیا۔ اور کبھی یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ رکوع کا رفع یدین مستقل ہے اور یہ کوئی مستقل رفع الیدین نہیں۔ اس کا ذکر پھوڑ دیا۔ اور عبد اللہ بن عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما وغیرہ کی احادیث میں جو وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ میں رفع الیدین نہیں کرتے تھے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ یعنی انہوں نے بھی اس کے مستقل نہ ہونے کی وجہ سے نفی کر دی ہے۔ آپ نے ان احادیث کو معارض بتایا ہے۔ حالانکہ یہ مؤید ہیں پھر آپ کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ عدم روایت اور عدم روایت اور اثبات روایت کا مقابلہ نہیں بلکہ روایت عدم اور روایت اثبات کا مقابلہ ہے۔ یعنی جن روایتوں میں ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ ان کی کئی روایتوں میں روایت کی تصریح ہے۔ ملاحظہ ہو مسلم باب مذکورہ اور بخاری باب الی این رفع یدین فیہ اور سندھی کا اس طرح سے تطبیق کرنا کہ آن حضرت صلعم سجدہ کی رفع یدین کبھی کرتے کبھی نہ کرتے۔ یہ اس وقت مناسب ہے جب سجدہ کی رفع یدین مستقل طور پر ثابت ہو جائے۔ مگر جب سبب ہی مشکوک ہے تو اس کی ضرورت ہی کیا؟ اس کے علاوہ ہم کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ کی حدیث میں رکوع میں رفع یدین کا اثبات ہے اور سجدہ میں نفی ہے۔ اگر اس کا مطلب یہ لیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں کبھی پھوڑ دیتے تھے۔ اور راوی نے جیسا کہ دیکھا اسے بیان کر دیا۔ تو اس پر سوال ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ میں کیوں پھوڑا۔ کیا جواز بتلانے کی غرض سے پھوڑا یا بھول کر پھوڑا یا منسوخ ہونے کی وجہ سے پھوڑا۔ بلاوجہ بھول کر نسبت آپ کی طرف غیر مناسب ہے۔ نیز بھول میں آپ کی اقتداء نہیں ہوتی تو گویا مطلب یہ ہوگا کہ سجدہ میں ہمیشہ رفع الیدین کرنا چاہیے۔ حالانکہ سندھی کی یہ مراد نہیں۔ اس طرح نسخ کی صورت کو سمجھ لینا چاہیے کیونکہ نسخ کی صورت میں لازم آئے گا کہ سجدہ میں بالکل نہیں کرنا چاہیے۔ حالانکہ سندھی کی یہ بھی مراد نہیں۔ اب رہی پہلی صورت یعنی جواز بتلانے کی غرض سے پھوڑا۔ سو اس کی بابت عرض ہے کہ سجدہ میں جواز بتلانے کی غرض سے پھوڑا ہے تو رکوع میں نہ پھوڑنے کا مطلب عدم جواز ہوگا۔ یعنی رکوع میں پھوڑنا جائز نہیں ہوگا۔ حالانکہ سندھی کی یہ مراد بعید ہے۔ کیونکہ نسائی کتاب الافتتاح کی پہلی حدیث پر سندھی نے رکوع میں بھی ترک جواز تسلیم کیا ہے۔

پھر یہاں ایک اور ڈبل اعتراض پڑتا ہے وہ یہ کہ اثبات اور نفی دونوں قسم کی احادیث میں استمرار کا صیغہ ہے جو ہمیشگی اور استمرار کو چاہتا ہے تو اب اس طرح سے موافقت نہیں ہو سکتی کہ کبھی کرتے کبھی نہ کرتے بلکہ اس کی صورت یہی ہے کہ سجدہ میں رفع الیدین سے مراد مستقل رفع یدین نہیں بلکہ وہی شکل و صورت رفع یدین والی ہے۔ قتال فیہ

رہی وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث جس کو آپ نے اصل قرار دیا ہے۔ اس میں عبد الوارث بن سعید بے شک ہمام سے زیادہ ثقہ ہے۔ لیکن ہمام کو خارج سے تقویت بہت ہے۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ کی متفق علیہ احادیث جن میں سجدہ میں رفع یدین کی نفی ہے اس کے شواہد ہیں پھر شرح خبہ میں صحت کے چند درجے مقرر کیے ہیں اول نمبر



بخاری، مسلم کی روایات پھر بخاری کی، پھر مسلم کی، پھر جو بخاری و مسلم کی شرط پر ہوں۔ پھر جو بخاری کی شرط پر ہوں۔ پھر جو مسلم کی شرط پر ہوں۔ اور اس روایت کو مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ لیکن اس میں سجدہ میں رفع یدین نہیں۔

پس اس جہت سے بھی اس روایت کو تقویت ہوگئی پھر عبداللہ بن وائل کے استاد میں اختلاف ہے عبید اللہ بن عمر بن میسرہ رضی اللہ عنہ جو اعلیٰ درجہ کے ثقہ ہیں جن کی بابت تقریب میں ثقہ ثبت لکھا ہے یہ عبدالوارث سے وائل بن علقمہ نقل کرتے ہیں۔ اور ابو یحیٰ زبیر بن حرب بھی اسی اعلیٰ درجہ کے ثقہ ہیں وہ بھی عبدالوارث سے بواسطہ عبدالصمد بن عبدالوارث "وائل بن علقمہ ہی روایت کرتے ہیں۔ اور ابراہیم بن الحجاج سامی جس کو تقریب میں ثقہ یوم قلیلا کہا ہے یعنی ثقہ ہے کچھ وہم کرتا ہے۔ اور عمران بن موسیٰ ابو عمرو البصری کو تقریب میں صدوق کہا ہے۔ یہ دونوں عبدالوارث سے وائل بن علقمہ بن وائل نقل کرتے ہیں۔ اور صحیح یہی ہے۔ چنانچہ تہذیب میں اور تقریب میں ابن حجر نے اس کی تصریح کی ہے۔ اب دیکھئے عبید اللہ اور حیثمہ اعلیٰ درجہ کے ثقہ ہیں۔ دونوں کی بابت تقریب میں لکھا ہے۔ اور ابراہیم اور عمران یہ ان کی نسبت بہت بلکے درجہ کے ہیں کیونکہ دوسرے کو صرف سچا کہا ہے۔ اس کے حافظہ وغیرہ کی تعریف نہیں کی اور پہلے اس کے لیے جامع لفظ بولا ہے جو حافظہ وغیرہ کو بھی شامل ہے لیکن ساتھ یہ بھی کہہ دیا ہے کہ وہ کچھ وہم کرتا ہے مگر باوجود اس کے عبدالجبار بن وائل کے استاد کی نسبت انہی کا قول درست ہے یہ کیوں؟ اس لیے کہ ان کے قول کو خارج سے تقویت پہنچ گئی ہے۔ وہ یوں عفان بن مسلم بصری نے ہمام بن یحییٰ بصری سے وائل بن وائل نقل کیا ہے۔ اور اسحاق بن ابی اسرائیل نے بھی عبدالصمد سے وائل بن وائل نقل کیا ہے۔ اور کے بعد اور خارجی قرآن بھی ہیں جو عبدالجبار کا استاد وائل بن وائل ہونے کے مقتضی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ کوئی ضروری نہیں کہ زیادہ ثقہ کی بات کو ہمیشہ ترجیح ہو کرے بلکہ بعض خارجی شواہد ادنیٰ کو اعلیٰ کرہیتے ہیں۔ اور اسی کی بات درست ہوتی ہے۔ پس اس بناء پر ہمام کی روایت کو ترجیح ہونی چاہیے اور یہی وجہ ہے کہ امام مسلم۔ ہمام کی روایت اپنی کتاب میں لائے ہیں۔ اور عبدالوارث کی نہیں لائے۔ ملاحظہ ہو باب وضع یدہ المنی الخ۔ پس جس روایت کو آپ نے اصل خیال کیا تھا وہ محل استدلال میں فرع بھی نہ رہی۔ اس کے علاوہ مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث میں سجدہ میں رفع یدین سے مراد مستقل رفع یدین مراد نہ ہو تو اس میں بھی وہی مراد لینا چاہیے تاکہ سب احادیث میں موافقت ہو جائے اور کسی قسم کا اختلاف نہ رہے۔

وباشد التوفیق

فتاویٰ الہدیٰ

کتاب الصلوٰۃ، نماز کی کیفیت کا بیان، ج 2 ص 125

محدث فتویٰ